بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

اکتوبر 2015ء / ذوالحجہ 1436ھ

جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 10- قیمت: 20 روپے

سالانہ ممبر شپ: 200 روپے - تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- رفقائے انقلاب کی تیاری
- جھوٹ کی ایک عام صورت
- دینی مدارس اور قومی سیاسی تقاضے
- یونانی بیل آؤٹ ریفرنڈم 2015ء
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- قولِ سدید (درست بات) کی اہمیت
- سوچ کی خرابی اور غلامی کے اثرات
- معاشی جھوٹ اور سماجی بے راہ روی
- جمعہ کا اجتماع ہمارے لیے غور وفکر کا موقع فراہم کرتا ہے
- دوسروں کو ذلیل سمجھنا روح کی بیماری ہے
- مجاہدہ حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- حضرت نانوتویؒ کا ایک اہم واقعہ
- شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
- عہدِ حاضر کی عبقری اور تجدیدی شخصیت
- آزادی وحریت کی اہمیت اور قومی تقاضے
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ: ''اس کو یاد رکھو! کہ اگرچہ (توجہ اِلی اللہ کے حوالے سے) چلنا (سلوک) اپنی رفتار سے ہوتا ہے، مگر جو چلتا رہتا ہے، وہ بہت راستہ طے کرلیتا ہے اور جو اِدھراُدھر کے راستوں پر بھی ہولے اور پھر واپس آکر راستہ لے، اس کو بڑا وقت اور طاقت ضائع کرنا پڑتی ہے۔

خرگوش اور کچھوے کا قصہ مشہور ہی ہے کہ کچھوا خرگوش سے پہلے منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ حال آں کہ اس کی رفتار خرگوش کے مقابلے میں ہیچ (کچھ بھی نہ) تھی۔''

(8،9/ذی الحجہ 1365ھ/ 3،4/نومبر 1946ء بروز: اتوار، سوموار۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:205۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ممبر شپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور''
الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ، کوڈ 0533
اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

رفقائے انقلاب کی تیاری

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ (اے مزمل!) (1:73)

(الف) ''الْمُزَّمِّل'': اونٹ کے کجاوے میں عموماً دو آدمی سوار ہوا کرتے ہیں۔ ایک، ایک طرف اور دوسرا، دوسری طرف تاکہ بوجھ دونوں طرف برابر رہے۔ ان کو ایک دوسرے کے زمیل کہتے ہیں۔ پس لغوی اعتبار سے مُـزَّمِّل کے معنی ہوئے رفقائے راہ تیار کرنے والا۔ یعنی جتنا قرآن آپؐ سمجھتے ہیں' اتنا ہی دوسرے کو سمجھا کر انسانیت کی خدمت کے لیے تیار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جس محنت و مشقت سے وہ (آپؐ) خود اپنے نصب العین کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اسی محنت و مشقت سے آپؐ کے ساتھی بھی اسے کامیاب بنائیں۔

(ب) لفظ مُزَّمِّل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی کثرت سے رفقائے راہ تیار کرنے والا۔ گویا جو زمیل تیار ہوں گے یہی آگے چل کر آپؐ کی فوج کے سپاہی بن جائیں گے۔ اور پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی نیابت کریں گے اور خلافت (حکومت) چلائیں گے۔ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا خاصہ ہے وہ ایک دن میں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔ اس انقلاب کا پہلا حصہ وہ تھا جو خلافتِ راشدہ سے شروع ہو کر عباسی حکومت کے خاتمے تک کامیاب رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھنے کے لیے ایک اور قوم ایرانیوں کو ذریعہ بنایا۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علاحدہ علاحدہ خیال کرنا غلطی ہے۔ یہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ جب تک انسانیت روئے زمین پر قائم ہے، یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آ سکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہو چکی ہوں، ایک سطح پر آ کر اس کے ماتحت مل جائیں۔ اس وقت یہ انقلابِ عمومی مکمل ہوگا۔ پس ''الْمُزَّمِّل'' سے مراد وہ صاحبِ امامتِ کبریٰ ہے، جس کے ماتحت تمام اقوامِ عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا (آپؐ کے ایک نام) ''الحاشر'' ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

(ج) امام رازیؒ نے حضرت عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ الْمُزَّمِّل کے معنی حمل کے بھی ہیں، یعنی وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ یہ بار (بوجھ) جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا' قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار تھا۔ آپ ﷺ نے بین الاقوامی انقلاب کو مؤخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام (قومی اور بین الاقوامی) ایک ہی وقت شروع کر لیے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپؐ نے جواں مردی، ہمت، محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بارِ گراں اٹھاتا ہے، وہ ''امامِ انقلاب'' کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ''الْمُزَّمِّل''، یعنی آخری درجے کے امام ائمہ انقلاب ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس آخری درجے کا نام ''خَاتَمُ النَّبِيِّيْن'' رکھتے ہیں۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ (تلخیص از قرآنی شعورِ انقلاب۔ ص: 574 تا 587)

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ

جھوٹ کی ایک عام صورت

عن أبی هریرۃؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم:

''کفیٰ بالمرء کذباً أن یحدّث بکلّ ما سمع.''

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو چیز سنے، اُسے نقل کردے۔) (مشکوٰۃ المصابیح، باب الإعتصام بالکتاب و السنّة. الفصل الأوّل)

اس حدیث پاک میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے گناہ سے بچنے کی طرف اشارہ کیا ہے، جسے ہم گناہ نہیں سمجھتے، حال آں کہ وہ بات ہمارے گنہ گار بننے کا صاف اور صریح موجب بنتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ایک شخص جو کسی سے سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے یوں ہی آگے کسی سے بیان کردے، وہ جھوٹ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایسا آدمی خود تو جھوٹ نہ بولتا ہو، لیکن صرف سنی سنائی بات کو تحقیق کرنے کے بغیر ہی آگے نقل کر دیتا ہو، تو اُسے جھوٹا بنانے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ بے بنیاد اور بے پر کی باتوں میں مزا لیتے ہیں۔ وہ زبان کا چسکہ لے لے کر ایسی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور تحقیق کیے بغیر یہ باتیں دوسروں کو سناتے پھرتے ہیں۔

ایک جھوٹا آدمی جو شیطان کے بہکانے میں آجاتا ہے، کسی کو زِک پہنچانے، اذیت دینے، ذلیل کرنے یا دشمنی کی غرض سے کسی ایک فرد یا بہت سے افراد کے بارے میں افترا پردازی کر کے من گھڑت اور جھوٹی خبر بیان کرتا ہے۔ اگر اسے سننے والے تحقیق کیے بغیر آگے سناتے چلے جائیں تو ظاہر ہے کہ یہ جھوٹی خبر جنگل کی آگ کی طرح آنکھ جھپکنے میں دور دراز تک پھیل جاتی ہے اور کسی بے گناہ اور معصوم کو جس کے بارے میں یہ جھوٹی خبر گھڑی گئی تھی، سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی بے عزتی ہو جائے، اس کا وقار ختم ہو جائے یا مالی یا بدنی نقصان پہنچ جائے۔ اس کے برعکس اگر پہلا سننے والا شخص اس خبر کو آگے نقل کرنے کی بجائے وہیں اس کی تحقیق کرلے اور اس خبر کو جھوٹا پائے تو یہ افواہ پھیلنے نہیں پائے گی۔

اگر لوگوں میں ہر سنی ہوئی بات کی تحقیق کرنے کا مادہ صحیح معنوں میں پیدا کر دیا جائے تو آج افراد اور سوسائٹی کو جھوٹی خبروں کے بارے میں جو نقصانات پہنچتے ہیں، ان سے نجات مل جائے اور افواہوں کا انسداد ہو جائے۔ افواہیں ہمیشہ نقصان دہ ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً جنگ کے زمانے میں اور غیر معمولی حالات میں تو ان سے بہت نقصان پہنچنے کا خدشہ رہتا ہے۔ عام طور پر دشمن دھوکا دینے کی خاطر یا اپنے مخالف کے حوصلے پست کرنے کی خاطر جھوٹی باتیں اُڑا دیا کرتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر عوام و خواص تحقیق کرنے کی عادی ہوں تو ان کا کچھ نہیں بگڑتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ہر سنی سنائی بات کو تحقیق کیے بغیر دوسروں کے آگے بیان کرنے کی عادت ہو تو اس سے شدید نقصانات پہنچتے ہیں۔

اداریہ

دینی مدارس اور قومی سیاسی تقاضے

گزشتہ دنوں اہم ریاستی اداروں اور پاکستان کے دینی مدارس کی پانچ تنظیموں پر مشتمل اتحادِ اتحاد تنظیمات المدارس کے نمائندوں کے درمیان اہم بات چیت ہوئی۔ بعدازاں اس سے متصل ہی مرکزی اپیکس کمیٹی کا ایک اجلاس بھی ہوا۔ ان اجلاسات میں یہ طے پایا کہ مدارس کا لین دین بینکوں کے ذریعے سے ہوگا۔ کافر کہنے، کسی کو قتل پر اُکسانے اور نفرت انگیز تقاریر پر حکومت کارروائی کرے گی۔ مزید برآں مدارس کو ملنے والے غیرملکی عطیات اور مالیات کا آڈٹ، مدارس کی رجسٹریشن، تعلیمی نظام اور نصاب کی اصلاح کے علاوہ مدارس کو اندرونی و بیرونی ملنے والی امداد کا طریقۂ کار طے کرنا ریاست کا حق ہے۔ اور اس کے لیے گورنر اسٹیٹ بینک مدارس کو بریفنگ دیں گے۔

وزیرِداخلہ نے بتایا کہ ملک میں 177 مدارس کو غیرملکی فنڈنگ ملتی ہے۔ ملک میں تین درجن سے زائد مدارس بند کیے گئے ہیں۔ وہ مدارس جو غیرقانونی جگہوں پر تعمیر تھے، ان میں 47 مدارس پنجاب، جب کہ 30 سے زائد سندھ میں ہیں۔ ملک بھر کے بعض علاقوں میں مساجد میں کیمرے نصب کر کے فرقہ وارانہ تقاریر پر کنٹرول کرنے کی حکمت عملی بھی مرکزی اپیکس کمیٹی میں زیرِبحث آئی۔

80ء کی دہائی میں جنم لینے والی شدت پسندی کی لہر نے آج پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اب قومی و بین الاقوامی حالات کے جبر نے ہمارے قومی اداروں کو مجبور کر دیا ہے کہ اب بہرصورت اس جن کو بوتل میں بند کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ریاستی اداروں اور اہلِ مدارس کا ایک میز پر بیٹھنا خوش آئند ہے اور اِسے اس شدت پسندی کی فضا میں امن کی تلاش میں ایک غیرمعمولی قدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ایسے اقدامات کو نتیجہ خیز بنانے میں ہمیشہ ہمارے حکمرانوں کی روایتی نااہلی آڑے آتی رہی ہے۔ ماضی میں بھی کئی بار ایسے اقدامات اٹھائے گئے، لیکن قوم اس کے نتائج نہ دیکھ سکی۔ مدارس کی رجسٹریشن اور ایک مثالی نصابِ تعلیم، ماڈل مدارس جیسے بہت سے اُمور ''مفاہمتی جمہوری'' حکومتوں سے قبل چوتھے فوجی حکمران کے دورِ حکومت میں بھی زیرِبحث رہے، لیکن انتظامیہ کی روایتی نااہلی اور اہلِ مدارس کے عدمِ تعاون کے باعث بارآور نہ ہوسکے۔ یہ سارے اقدامات دراصل قومی ایکشن پلان کا حصہ تھے، لیکن ایک لمبا عرصہ گزر جانے کے بعد اس پر حکومت کوئی مؤثر حکمت عملی وضع کرنے میں ناکام رہی۔ اور پشاور واقعے کے بعد آہستہ آہستہ وہ اپنی سابقہ روایتی سیاست کی طرف لوٹنے لگی تھی۔ اس بات کا اعتراف مرکزی اپیکس کمیٹی میں ریاست کے سربراہ بھی کر چکے ہیں کہ ہم نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد اور خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں کر سکے۔ لیکن قومی عسکری ادارے نے حکمرانوں کے شانوں کو گھماتے ہوئے ایک بار پھر ان کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب حکومت کو چاہیے کہ ہوش کے ناخن لیتے ہوئے شاخ تراشی کے بجائے ایک مستقل لائحۂ عمل کے ذریعے اس سارے عمل کو مؤثر اور نتیجہ خیز بنائے۔ ورنہ ایک خاص عرصے کے بعد یہ تراشے ہوئے درخت پھر نئی شاخوں کے ساتھ لہراتے ہوئے نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔

اس سارے عمل کو کامیاب بنانے میں حکومت اور اہلِ مدارس کا بنیادی کردار بنتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہاں بہت سے دینی ادارے رجسٹرڈ نہیں ہیں اور بہت سے مدارس کا مالی نظام بھی قابلِ تقلید نہیں۔ ایسے میں اہلِ مدارس کا کسی قسم کی اصلاح اور تبدیلی پر آمادہ نہ ہونا اور معاملات کو جوں کا توں رکھنے پر اصرار کرنا بہت سے سوالات کو جنم دیتا ہے۔ ملک میں بہت سے سرکاری اور غیرسرکاری اداروں کی بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کو وجہِ جواز بنانا درست نہیں ہے۔ علما کو معاشرے اور ملک کے لیے رول ماڈل بننا چاہیے اور اپنے اداروں کو رجسٹریشن، مالیات کے آڈٹ کے دائرۂ کار میں لا کر اداروں کے مالی نظام کو انتہائی شفاف بنانا چاہیے۔ اپنی زندگیوں کو نمود و نمائش سے پاک رکھتے ہوئے سادگی کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ یہی وہ طرزِ عمل ہے، جس سے معاشرے میں دینی اداروں کے کھوتے ہوئے وقار کو بحال کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات میں امام العصر حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی خدمات اور جدوجہد کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا بہت بڑی ناشکری ہوگی۔ جو اپنی ساٹھ سالہ جدوجہد میں قوم کو انھی خطرات سے آگاہ کرتے رہے، جن میں آج وہ گھری ہوئی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ ملک میں دوہرے نظامِ تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ایک یکساں قومی تعلیمی نظام کی ضرورت پر زور دیا۔ جو ہماری دینی اور دنیاوی دونوں ہی ضرورتوں کا کفیل ہو۔ ان کے خیال میں ایک نظامِ تعلیم سے شدت پسندی، جب کہ دوسرے نظامِ تعلیم سے دین بے زاری اور مادہ پرستی کے رُجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس ملک میں دو انتہاؤں پر قائم نظام ہائے تعلیم نہ صرف ملک و قوم، بلکہ انسانیت کے لیے بھی تباہ کن اثرات و نتائج پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اسی لیے وہ ہمیشہ اہلِ مدارس سے یوں مخاطب ہوتے تھے کہ: مدارس میں شدت پسندی اور فرقہ واریت کی بجائے قومی ذہن پیدا کیا جائے۔ طلبا میں دینی، عصری علوم اور سماجی شعور کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں خداپرستی اور انسان دوستی پر طلبا اور علما کی کردارسازی کی جائے۔ انھوں نے مشہور حریت پسند رہنما شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی پالیسی کو مرکز بنا کر جدید و قدیم کے درمیان فاصلے ختم کرنے کی دعوت دی۔ وہ ہمیشہ قومی اور سیاسی بنیادوں پر نئی نسل کی تعلیم و تربیت پر زور دیتے رہے، لیکن بعض مذہبی حلقوں نے وقتی مفادات کے زیرِاثر اس مضبوط اور باشعور آواز کو نہ صرف سنا اَن سنا کر دیا، بلکہ اس آواز پر کان دھرنے والے مدارس اور جدید تعلیمی اداروں میں نوجوانوں پر زمین تنگ کر دی۔ آج ہم ایک بار ان تمام حلقوں کو ملک کی موجودہ صورتِ حال کے تناظر میں ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے فکر و خیال سے استفادے کی دعوت دیتے ہیں۔ باشعور قومیں علم و فکر میں نفرت اور تعصب کو کبھی حائل نہیں ہونے دیتیں؛ 'صبح کا بھولا اگر شام کو واپس گھر لوٹ آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔'

(مدیر)

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

یونانی بیل آؤٹ ریفرنڈم 2015ء

یونان، بحیرۂ روم کے شمالی کنارے پر پھیلے ہوئے جنوبی یورپ کے جزائر میں سے ایک ہے۔ اس کے دارالحکومت کا نام ایتھنز اور یورپین یونین کا ممبر بننے کے بعد اس کی کرنسی کا نام ''یورو'' ہے۔ اس کا کل رقبہ ایک لاکھ تیس ہزار آٹھ سو کلو میٹر پر مشتمل ہے۔ اس کی کل آبادی ایک کروڑ سات لاکھ 75 ہزار 5 سو کے لگ بھگ ہے۔

جنگِ عظیم اوّل اور دوئم بنیادی طور پر منڈیوں کی تقسیم اور دنیا کے وسائل پر قبضے کی بالادستی کے ذریعے معاشی مفادات کے حصول کی جنگیں تھیں۔ لہٰذا یورپ کے دانشوروں نے آئندہ اس کے تدارک کے لیے بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ اسی بندوبست کا نام ''یورپین یونین'' رکھا گیا۔ مگر آج کے حالات ثابت کر رہے ہیں کہ یہ بندوبست بھی ریت کا گھروندا ثابت ہوا۔ کیوں کہ 2008ء میں شروع ہونے والا مارڈگیج بحران امریکا کے اڑھائی سو سالہ پرانے لیہمن برادرز (Lehman Brothers) جیسے مضبوط اور مستحکم بینک کو نگل گیا۔ یورپین یونین کا معاہدہ سرمایہ داری نظام کے مہلک اثرات کو روکنے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ چناں چہ ان حالات میں یونانی عوام نے فیصلہ کیا کہ ملکی عافیت اسی میں ہے کہ اس گٹھ جوڑ یعنی یورپین یونین سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ یونانی عوام کے اس فیصلے کے خلاف ''تین'' (یورپین کمیشن، ورلڈ بینک اور یورپین سنٹرل بینک) کے گٹھ جوڑ نے ایسی حکمت عملی بنائی، تا کہ یونان ان کے چنگل سے نکل نہ پائے۔

یورپین یونین کے اقتصادی اعتبار سے دو مستحکم ممالک جرمنی اور فرانس کا مؤقف ہے کہ اگر یونان یورپین یونین سے علاحدہ ہو جاتا ہے تو اس کے بڑے تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔ یورپین سنٹرل بینک کی کرنسی یورو آہستہ آہستہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔ رکن ممالک کی معیشتیں ایسے معاشی بحران کی لپیٹ میں آئیں گی، جس کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کے بارے میں کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔ حال ہی میں روس اور یونان کے درمیان ایک گیس پائپ لائن کے سمجھوتے پر دستخط ہوئے ہیں۔ اس منصوبے کے تحت روس ترکی اور یونان کے راستے سے جنوبی یورپ کو گیس فراہم کرے گا۔ جس کی یونان نے تصدیق بھی کر دی ہے۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے روس کا سرکاری ترقیاتی بینک مالیات فراہم کرے گا۔ یورپین یونین کے دیگر ممالک اس بات سے بھی پریشان ہیں کہ یونان کے یونین سے علاحدہ ہونے کے نتیجے میں وہ روس کے مزید قریب ہو جائے گا۔ جس کے معانی یہ ہوں گے کہ یورپین یونین نے روس پر جو پابندیاں عائد کی تھیں وہ سب کالعدم ہو جائیں گی۔ اس وقت یہ مسئلہ محض معاشی نہیں رہا بلکہ انسانی، سیاسی، جغرافیائی اور تاریخی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ کیوں کہ یورپ کا یہ پہلا ملک نہیں ہے جو معاشی تباہی کے دہانے پر پہنچا ہوا ہے، بلکہ اَور بھی بہت سے ممالک ہیں جن کی معاشی صورت حال اس سے بھی بدتر ہے۔ لیکن ان ممالک کے خلاف کوئی ایسے اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ یورپ کے ایسے تمام ممالک جن کی معیشتیں بحران کا شکار ہیں، ان ملکوں میں آج کل اس پہلو پر غور و فکر ہو رہا ہے کہ یونین سے کب تک نکلا جائے۔ اس سلسلے میں برطانیہ، فن لینڈ اور اٹلی کی حکومت مخالف چند ایک سیاسی جماعتیں ان ملکوں کے مروّجہ حالات پر عدم اطمینان کا اظہار کر چکی ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں یورپین یونین سے علاحدگی کے بارے میں اپنی دلچسپی کا بھی اعلان کر چکی ہیں۔

''تین'' نے یونان کو قرضوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ مذکورہ اداروں نے اپنے قرضوں کی واپسی کے لیے بیل آؤٹ کا ایک پیکج پیش کیا تھا۔ یونان کی حکومت کے لیے ان شرائط کا قبول کرنا مزید معاشی دباؤ کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس لیے اس وقت کے وزیر اعظم الیگزیز تسیپراز (Alexis Tsipras) نے مذکورہ اداروں کی طرف سے 25/ جون کو جاری کردہ شرائط پر عوامی رائے حاصل کرنے کے لیے 27/ جون 2015ء کو علی الصبح ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا۔ چناں چہ ان شرائط پر 5/ جولائی 2015ء کو ریفرنڈم کرایا گیا۔ یونانیوں نے اس ریفرنڈم میں بھر پور حصہ لیا۔ ووٹرز کا ٹرن آؤٹ 62 فی صد تھا۔ 61.31 فی صد لوگوں نے شرائط کو قبول 'نہ' کرنے کے حق میں فیصلہ دیا۔ یونان کی پبلک ڈیبٹ مینجمنٹ ایجنسی کے مطابق 30/ اپریل 2015ء تک لیے گئے کل قرضوں کی مقدار 3 کھرب 12 ارب 67 کروڑ 90 لاکھ 22 ہزار 9 سو پچاس یورو ہیں۔ اس ایجنسی کے مطابق اگر مزید قرضے حاصل نہ کیے جائیں تو موجودہ قرضے 2057ء تک ہی واپس کیے جاسکتے ہیں۔ بیل آؤٹ پیکج میں جن مدات کی نشان دہی کر کے عالمی مالیاتی ایجنسیوں نے واپسی کا روڈ میپ دیا تھا، یونان اگر ان کو مان لیتا تو اس سے اس کا مالیاتی بحران مزید گہرا ہو جاتا۔ لیکن اب یونان اور دیگر مالیاتی اداروں کے درمیان قرضوں کی واپسی کا ایک روڈ میپ طے پا گیا ہے۔ اس کے مطابق یونان آئندہ تین سالوں میں اپنے ذمے واجب الادا اَدئیگیوں کے 93 ارب واپس کرے گا۔ اس کے لیے گارنٹی کے طور پر وہ اپنے قیمتی اثاثوں کو ایک آزاد فنڈ کے سپرد کرے گا۔ یہ آزاد فنڈ اُن اثاثوں کی مالیت کا تعین کر کے 50 ارب یورو تک یونانی بینکوں کو قرضہ جاری کرنے کی اہلیت فراہم کرے گا۔ چناں چہ اس سلسلے میں یونان کی پارلیمنٹ نے 25/ جولائی 2015ء کو ایک بل پاس کر کے اس سارے منصوبے کی منظوری دے دی ہے۔ یورپین کمیشن نے یونان کی مالیاتی مدد کے لیے سات ارب یورو کا ایک مالیاتی پیکج منظور کیا ہے، جو یونان کو قرضوں کی واپسی کے لیے معاونت کرے گا۔

یونان اگر یورپین یونین کے چنگل سے نکل نہیں پاتا اور وہ اس کا حصہ ہی رہتا ہے تو یونانی معیشت کے اس بحران کو دُور کرنے کے لیے تجویز کردہ علاج بہت عارضی نوعیت کا ہے۔ یہ علاج ایک وینٹی لیٹر پر پڑے ہوئے مریض کے لیے عارضی تنفس کا اہتمام کرنا ہوگا۔ سرمایہ داری نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ 20 تا 25 سال کے عرصے میں پوری معیشت سے دولت کھینچ کر چند سرمایہ داروں کی تجوریوں کو بھر دیتا ہے۔ پھر یہ سرمایہ دار ریاست کو قرضہ دے کر کاروبارِ حکومت چلانے کے اہل کر دیتے ہیں۔

آج اگر یونان سرمایہ داری نظام سے نکل جاتا ہے اور وہ اس بلاک میں شریک ہو جاتا ہے جو انسانوں کو سرمائے سے بالاتر سمجھتے ہیں اور ان حالات میں ان کے مسائل کا مداوا بھی کر دیتے ہیں تو سرمایہ داری بلاک کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج ثابت ہوگا۔ اس کے نتیجے میں یورپ کے کئی ممالک اپنے معاشی مسائل کے حل کے لیے ان اداروں کی رکنیت حاصل کر لیں گے جو حال ہی میں چین کی طرف سے وجود میں لائے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان اقدامات کے یونان اور دیگر یورپی ممالک پر بڑے مثبت اور دُوررَس اثرات مرتب ہوں گے۔

مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس 1/2۔12/ستمبر 2014ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے حوالے سے اپنے کچھ مزید تأثرات بیان کریں۔ ان کی مجالس سے آپ نے کس طرح استفادہ کیا؟

حضرت اقدس: 1981ء سے 1987ء تک تقریباً چھ سال کا عرصہ ہمارا قیام جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں درسِ نظامی کی تعلیم دورۂ حدیث شریف تک اور پھر تخصص فی الفقہ الاسلامی کی تکمیل تک رہا۔ اس دوران حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ اکثر اوقات جامعہ علومِ اسلامیہ کے مہمان خانے میں قیام فرما ہوتے اور استاذِ محترم حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ ان کے میزبان ہوتے۔ استاذِ محترم مولانا شہیدؒ اسباق کے دوران حضرت اقدسؒ کی عظمت اور اہمیت طلبا کے ذہنوں میں بٹھاتے۔ اس بنا پر حضرتؒ کے قیام کے زمانے میں حضرتؒ کی مجالس میں شرکت کا موقع ملتا رہا اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔

80ء کی دہائی میں ملک میں قومی سطح کے دو اہم مسائل چل رہے تھے۔ ایک مسئلہ افغانستان اور دوسرا مسئلہ ایرانی انقلاب کے حوالے سے رہا۔ ان دونوں مسائل میں عام علما کی آرا سے حضرت اقدسؒ کی رائے بہت مختلف رہی۔ حضرتؒ کی ان مجلسوں میں یہ سمجھنے کا موقع ملا کہ یہ دونوں مسائل سیاسی ہیں اور ان کے بارے میں سیاسی نقطہ نظر سے ہی رائے قائم کی جانی چاہیے۔ سیاسی معاملات میں مذہبی جذباتیت کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا ہندوستان میں ہمارے بزرگوں کے سیاسی آرا قائم کرنے کے طریقے کے قطعی خلاف ہے۔ اس لیے کہ آج کل سامراج اسلام کا نام استعمال کر کے اپنے سامراجی مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کا یہ قول نقل فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر ظہر کی نماز کا وقت ہو جائے اور انگریز مجھے یہ کہے کہ مولوی صاحب! نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز ادا کر لو۔ تو میں اس کے کہنے پر وقت ہونے کے باوجود نماز میں مشغول نہیں ہوں گا۔ کیوں کہ آخر شیطان صفت انگریز کا میری نماز کے پڑھنے سے کیا تعلق ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مجھے نماز میں مشغول کر کے اپنے کوئی مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہو۔''

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ، حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے سے مولانا رومیؒ کی بیان کردہ روایت بھی نقل فرماتے تھے، جس میں شیطان نے ایک رات انھیں نماز کے لیے اٹھایا تو انھوں نے اسے پکڑ لیا اور پوچھا کہ تم نے مجھے نماز کے لیے کیوں اٹھایا ہے؟ اس میں تمھارا کیا فائدہ ہے؟ اس نے کہا: بس یونہی اٹھا دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ: شیطان اور نماز کے لیے اٹھانا کیسا؟! ضرور تمھارا کوئی مطلب ہے، وہ بتلاؤ، ورنہ تمھیں مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دوں گا اور دن میں لوگ تمھارا تماشا دیکھیں گے۔ شیطان نے کہا کہ: بات دراصل یہ ہے کہ اگر آپ کی نماز باجماعت قضا ہو جاتی تو آپ اللہ کے سامنے گڑگڑاتے اور استغفار کرتے۔ اس طرح آپ کے درجات بہت بلند ہوتے، تو میں نے کہا کہ چلو انھیں نماز کے لیے اٹھا دوں، تاکہ ان کے درجات تو کم ہوں۔''

حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ بالکل اسی طرح آج عالمی سامراجی طاغوتی قوتوں کو کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ ''اسلامی جہاد'' کے لیے فنڈ جاری کر رہی ہیں۔ امریکی سینیٹر چارلی ولسن اربوں ڈالر لے کر مدرسوں کے علما کو منظم کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟ عالمی سامراجی نظام کی آلہ کار قوتیں مدارس پر مہربان کیوں ہو رہی ہوں۔ لاکھوں کروڑوں کے فنڈ زمدرسوں کی تزئین و آرائش اور بلند و بالا بلڈنگیں بنانے کے لیے خرچ کیے جا رہے ہیں۔

حضرت فرماتے تھے کہ: جب خلافتِ عثمانیہ کا رعب و دبدبہ قائم تھا تو یورپ نے اپنی سرزمین پر مساجد و مدارس نہیں بننے دیے اور آج جب کہ مسلمان سیاسی طور پر ان کے تابع بنا دیے گئے ہیں تو ان کے لیے مساجد و مدارس کی تعمیر ہو رہی ہے۔ آج ان مدرسوں کو اگر ''جہاد'' کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے تو کل انھی مدرسوں کو دہشت گرد کہا جائے گا۔

حضرتؒ نے واضح کیا کہ مسئلہ افغانستان اور مسئلہ ایران کو عالمی سامراج کے سیاسی مقاصد کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ اس لیے حضرتؒ کی سوچی سمجھی ہوئی سیاسی رائے تھی کہ افغانستان میں کی جانے والی عسکری لڑائیاں اسلام کی سیاسی تعلیمات کے مطابق جہاد نہیں، بلکہ فساد فی الارض کا باعث ہیں۔ اسی طرح شیعوں سے عقائد کا اختلاف اپنی جگہ پر طے شدہ حقیقت ہے، لیکن اس اختلاف کی بنیاد پر ایران کے خلاف امریکا کی سیاسی جنگ کا حصہ بننا اور اس کے زیرِ اثر ممالک سے فنڈ لے کر اسلام اور کفر کی جنگ چھیڑنا، ملک میں فرقہ واریت، گروہیت، تشدد اور نفرتوں کو جنم دینے کا باعث بنے گا۔ جو ہمارے ملک کے سیاسی استحکام اور معاشی ترقی میں سب سے بڑی رُکاوٹ بن کر ظاہر ہوگا۔

حضرت رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: فرقے اور اختلافات ہر معاشرے میں ہوا کرتے ہیں، لیکن فرقہ واریت اور تشدد تباہی کا راستہ ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے زمانے میں ہندوستان میں بے شمار فرقے اور گروہ موجود تھے، لیکن ان کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی رواداری کا عمل فروغ پذیر رہا۔ مذہبی مراسم کی ادائیگی اور عقائد کے اختلافات ہوا کرتے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر لڑائی جھگڑا، تشدد اور قتل و غارت گری سوسائٹی کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ یہ تمام جھگڑے مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے ختم ہونے کے بعد انگریز سامراج کے دور میں ہوئے۔ جس نے divide & rule کی سیاست کی بنیاد پر فرقہ واریت کو ہوا دی۔ تشدد کو فروغ دیا۔ مذہبی، لسانی اور نسلی ہم آہنگی کو ختم کیا۔ اور اپنے سامراجی مقاصد کے لیے ان فرقہ وارانہ لڑائیوں کو استعمال کیا۔ آزادی کے بعد بھی اگر ہم ان لڑائیوں میں اُلجھے رہے تو اس سے ملکی استحکام پیدا نہیں ہوگا۔

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 9؍ مئی 2014ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (33:71-70) کے تناظر میں مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے:

قولِ سدید (درست بات) کی اہمیت

"معزز دوستو! انسانی معاشرے کی ترقی اور کامیابی قَوْلًا سَدِیْدًا یعنی قول کی سچائی، عدل و انصاف اور امن و امان پر ہوتی ہے۔ انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود انبیا علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے اور انبیاؑ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلامی میں لانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں۔ انسانیت کو دنیا کے مظالم، ناانصافی کے ماحول سے نکال کر عدل و انصاف کی ترقی، کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار کرتے ہیں۔ انبیاؑ انسانیت کو معاشی بھوک، افلاس اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر خوش حالی اور ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ انبیاؑ کی بعثت کا یہ وہ مقصد ہے، جو تمام آسمانی کتابوں، بالخصوص کتابِ مقدس قرآن حکیم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا اہم ترین اور نمایاں ترین پہلو ہے۔ ایک مسلمان جب قرآن حکیم اور دیگر تمام انبیاؑ اور خاص طور پر رسول اللہؐ پر ایمان کا دعوے دار ہوتا ہے، تو دراصل وہ اس بات کا حلف اٹھاتا ہے کہ وہ انبیاؑ کی ان تعلیمات کے مطابق اپنے معاشرے کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کرے گا۔

مسلمان بننا رسمی طور پر کسی فرقے میں شامل ہونا یا کسی گروہ کا حصہ ہونا نہیں ہے۔ مسلمان بننا دراصل ایک ایسی انقلابی عالم گیر تحریک کا حصہ بننا ہے، جو انبیاؑ کی تعلیمات کی اساس پر انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے مسلمان جماعت کو قرآن حکیم نے جابجا جو احکامات جاری کیے ہیں، اُن میں وہ تمام بنیادی احکامات ہیں، جن کا تعلق انسانی سوسائٹی کی مصالح اور اُن کی ترقیات و کامیابی سے ہے۔ بلکہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: تمام شریعتوں کا ہدف بھی دراصل انسانیت میں سے مفاسد کا ختم کرنا اور مصالح کو قائم کرنا ہے۔

انسانیت کی مصلحت اور کامیابی کس میں ہے؟ شریعت دراصل اُس کا سب سے بہترین راستہ، طریقہ اور منہج متعین کرتی ہے۔ وہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کی مصالح، مثلاً قول کی سچائی، آزادی و حریت، عدل، امن، معاشی خوش حالی کی تکمیل کا سب سے بہترین طریقہ دینِ اسلام میں ہے۔"

سوچ کی خرابی اور غلامی کے اثرات

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

"قومیں جب غلام بنتی ہیں تو دراصل جس قوم کی غلام بنتی ہیں، اُسی کے تصورات کے تحت سوچتی ہیں، اُنھی کے خیالات کا پرچار کرتی ہیں، انھی کے سیاسی تقاضوں کے لیے آلہ کار کا کردار ادا کرتی ہیں، انھی کے معاشی مفادات کے لیے گدھے اور بیل کی طرح کام کرتی ہیں۔ غلام قوم کا نہ اپنا عقیدہ ہوتا ہے، نہ دین مذہب اور نہ کوئی عملی اقدام۔ آزادی سے محروم اقوام اپنی شناخت سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔ اُن کی اپنی اقدار محض رسم بن کر رہ جاتی ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر اب تک آٹھ ہزار سال تک کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ قومیں غلام ہونے کے بعد اپنی قومی شناخت سے محروم ہو کر ذلت اور رسوائی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ہمارا عالم بھی آج یہی ہے کہ ہم غلام رہے ہیں اور غلامی نے ہمارے دماغوں پر مسلط ہو کر آزادی کا شعور بھی سلب کر لیا۔ آج رسمی مذہب بھی اُسی غلامی کے لیے آلہ کاری کا کردار ادا کرتا ہے۔ ذرا پچھلے سوڈیڑھ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے کہ اسلام کے نام پر رسمی طور پر ہم نے جو عمل بھی کیا، بالآخر اُس کا فائدہ سامراجی طاغوتی قوتوں نے اٹھایا۔ اسلام کے عنوان سے پارٹیاں بنائی گئیں، جماعتیں بنائی گئیں، مراکز قائم کیے گئے۔ اسلام کے نام پر ممالک بنائے گئے، جغرافیائی تقسیمیں کی گئیں، علاقائی شناخت کو تبدیل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان تمام تر کاوشوں کا عملی نتیجہ اُن عالمی اور بالادست قوتوں کے حق میں نکلا، جنھوں نے ہمیں غلام بنا کر آزادی سے محروم کیا تھا۔ اس لیے کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کرتی، جب تک کہ وہ آزادی و حریت اور سچائی کے تصورات کی بنیاد پر اپنے فیصلے خود کرنے کی اہلیت نہیں اختیار کرتی۔

آج ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم نے سچائی، آزادی اور حریت کے تصورات کے تحت زندگی بسر کرنے کو پس پشت ڈال دیا۔ آزادی کا کوئی تصور نہیں رہا۔ غلامی کے تصورات نے پوری سوسائٹی کو یرغمال بنا لیا۔ ذرا دیانت داری کے ساتھ اپنی زندگی کے تمام شعبوں کا جائزہ لیجیے! کیا ہم اپنے سیاسی فیصلے آزادی اور حریت کی بنیاد پر کرتے ہیں یا ہمارے سیاسی فیصلے غیر ملکی سامراجی طاغوتی قوتیں کرتی ہیں۔ اور ہم اُن کے فیصلوں کی جگالی اور انھیں یہاں پر فروغ دینے کے لیے کردار ادا کرتے ہوئے نام نہاد سیاسی پارٹیاں بناتے ہیں۔ سیاست کے عنوان سے کھیل کھیلتے ہیں۔ نام نہاد جعلی الیکشن اور جمہوریت کا ڈرامہ رچاتے ہیں۔ سیاست کے نام پر یونین کونسل کی ممبرشپ سے لے کر صدرِ پاکستان تک کے الیکشن لڑتے ہیں۔ لیکن ڈھاک کے تین پات کی طرح کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ عملاً سیاست اُن عالمی قوتوں کی ہوتی ہے، جو اپنی کٹھ پتلیاں ہمارے ملک میں اپنے مقاصد کے لیے نچاتی ہیں۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ سچی بات سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں۔ اس نعرے باز سیاست کا سامراجی طاغوتی قوتوں کے لیے آلہ کاری، جھوٹ کو فروغ دینے، بددیانتی کا ارتکاب کرنے، ناقص اور جعلی الیکشنز کے ذریعے سے جعلی حکومتیں بنانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔"

معاشی جھوٹ اور سماجی بے راہ روی

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''پچھلے ساٹھ ستر سالوں سے ذرا معیشت کے اعداد و شمار کا جھوٹ دیکھ لیجیے اور معاشیات کے عنوان سے معاشی اعداد و شمار، معاشی نظام، مالیاتی پالیسیوں، زرعی، تجارتی اور صنعتی پالیسیوں کا جائزہ لیجیے۔ جہاں معیشت کے تمام شعبوں میں ایک معمولی مزدور سے لے کر ایک بڑے کاروباری تک، ملک کے وزیرِ خزانہ اور مالیاتی نظاموں کو چلانے والوں تک میں جھوٹ کا چلن موجود، بددیانتی کا ارتکاب ہوتا ہو، مالیاتی ہیر پھیر ہو۔ مصنوعی مالیاتی ڈھانچہ سوسائٹی پر مسلط کیا جائے، جس کا حقائق اور سوسائٹی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی حقیقی تعلق نہ ہو تو وہ قولِ سدید والے مسلمان ہیں؟ جہاں سیاسی نظام میں اوپر سے لے کر نیچے تک تمام پارٹیاں جعلی ووٹ بھگتاتی ہوں، جعلی الیکشن لڑتی ہوں، جمعیتوں، جماعتوں اور پارٹیوں کے عہدے داران جعلی الیکشن سے اوپر آئیں، اور اس میں بددیانتی کا ارتکاب کر کے نام نہاد لیڈرشپ منتخب کرتی ہوں اور پھر وہ قوم اپنے آپ کو سچے مسلمان ہونے کی دعوے دار ہوں، تو سوچنے اور اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ کیا اس طرح پوری سوسائٹی قرآن کے بنیادی اساسی اقدار و احکامات سے قطعی متصادم نہیں ہے؟ اس مسلمان سے کہا گیا تھا: قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ یعنی تمھاری زبان سے نکلنے والا ہر جملہ درست اور سچائی پر مشتمل ہونا چاہیے۔ تمھارے جسم سے صادر ہونے والا ہر فعل سچائی اور حقائق پر مبنی ہو، جب کہ ہماری سوسائٹی میں ایسا نہیں ہے۔

عجیب بات ہے کہ پاکستان کی حکومت بڑے فخر سے اعلان کرتی ہے کہ ہم نے خزانہ بھر دیا۔ کیسے بھر دیا؟ کھربوں ڈالر قرضہ لے کر کے؟ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی غلامی اختیار کر کے؟ دنیا بھر کے معاشی اداروں کے سامنے بھیک مانگ کر، قرضوں کی معیشت سوسائٹی پر مسلط کر کے، اگلی نسلوں کو گروی رکھ کر خزانہ بھرنے کا کیا مطلب ہے؟ غلام کا خزانہ بڑا بھرا ہوا ہوتا ہے اگر وہ اپنی آزادی سلب کر کے اغیار کے مقاصد کے مطابق کردار ادا کرتا ہے۔ قارون کا خزانہ بھی فرعون کی غلامی کے اثرات کے نتیجے میں بڑا بھرا ہوا تھا۔ ایسے قارونوں کے غلامی پر مبنی خزانے کی بنیاد پر قوموں کی آزادی کا معیار ہے؟ یا آزادی کی بنیاد پر صحیح کردار ادا کرنا درست عمل ہے؟

ذرا اپنی سماجی زندگی کے متعلق سوچیے۔ آج ہماری تہذیب و کلچر برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ آج ہماری پوری سوسائٹی پر یورپ کی سماجی بداخلاقیوں کو مسلط کرنے کے لیے سیاست دان بھی لگے ہوئے ہیں، محکمہ تعلیم بھی لگا ہوا ہے، محکمہ صحت بھی یہی کام کر رہا ہے، میڈیا بھی اُسی ڈگڈگی پر ناچتا ہے۔ پوری سوسائٹی ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ وہ فحاشی، عریانی اور انسانیت دشمن رویے، جو یورپین بھیڑیے اپنے سرمایہ دارانہ معیشت کے فروغ کے لیے ہماری سوسائٹی پر مسلط کر رہے ہیں، وہ ہماری پوری سماجیات اور اقدار کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں اور ہم کچھ بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

جمعہ کا اجتماع ہمارے لیے غور و فکر کا موقع فراہم کرتا ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''جمعہ کا دن نصیحت ہے اور اس نصیحت کے دن میں ہمیں اس چیز کو دیکھنا ہے کہ وہ کیا بنیادی کمزوری ہے، جو ہمارے دماغ کو تارتار کیے ہوئے ہے، جو ہمارے وجود کو فنا کے گھاٹ اُتار رہی ہے، وہ تباہی اور بربادی، جس نے ہمارے پورے سماج کو گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔ ہماری سوسائٹی کے اندر غلامی اتھاہ گہرائیوں میں مسلط کر دی ہے۔ ہمیں اس چیز کو بھی دیکھنا ہے کہ کیا وہ پوری سوسائٹی کو یرغمال بنانے والے اعمال يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اسلام کے اصلاح والے اعمال ہیں؟ ہم نے جمعہ رسم بنا دیا۔ جمعہ کی دو رکعات پڑھیں، خطبہ سنا، سر دھنا کہ واہ جی واہ کیا باتیں حضرت نے فرمائیں ہیں۔ کیا اُس نماز کی ہر رکعات میں پڑھی اور سنی جانے والی سورتِ فاتحہ کے مطابق ہم نے مغضوب علیہم کا راستہ ترک کر دیا ہے؟ کیا ضالّین اور گمراہوں کے راستے ہم نے چھوڑ دیے ہیں؟ کیا ہم نے انعام یافتہ اور ترقی یافتہ قوموں کے رویے اپنا لیے ہیں؟ ہم سورتِ فاتحہ پڑھتے ہوئے دعا مانگتے ہیں: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (1:7-5) لیکن کیا اس دعا کا ہمارے دل سے کوئی تعلق ہے؟ ہمارے صحیح رائے قائم کرنے اور درست سیاسی اور معاشی سوچ سے تعلق ہے؟ ہماری سماجی زندگی کی تعمیر و تشکیل سے اس کا کوئی تعلق ہے؟ سب غائب۔ دن میں جتنی رکعتیں پڑھتے ہیں، ہر رکعت میں یہ آیات پڑھتے ہیں، لیکن نہ اس کی معنویت معلوم، نہ اس کے تقاضے معلوم، نہ اس کی بنیاد پر صحیح رائے قائم کرنے کا عمل ہے۔ بس اللہ سے مانگتے ہیں کہ: ''تُو ہمارے لیے سیدھا راستہ بنا دے۔'' گویا ہم نے تو کچھ کرنا نہیں۔ ہم نے تو مغضوب علیہم کے راستے پر چلنا ہے۔ ہم نے تو ضالّین کے راستے پر جانا ہے۔ تُو اپنی طرف سے ہی ہدایت کے فیصلے فرما دے؟!

ایسے غافل اور بے پرواہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ وہ شاہراہ نہیں بناتا، نہ صراطِ مستقیم کھولتا ہے۔ وہ اُن لوگوں کے لیے صراطِ مستقیم کھولتا ہے، جو دعا کو عمل میں لانے کا پختہ عزم اور ارادہ کریں۔ خود جدوجہد اور کوشش کریں اور نتائج کے لیے کردار ادا کریں۔ آزادی اور حریت کو اختیار کر کے آگے بڑھنے کے لیے اقدامات کریں۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ راستہ کھولتا ہے۔ اللہ نے صاف کہا ہے: اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) جو جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اُن کے لیے ہم شاہراہ کھولتے ہیں۔ اور جو جدوجہد کا راستہ اختیار نہیں کرتے، اُن کے لیے ہمارے پاس کوئی پگڈنڈی بھی نہیں ہے۔ انھی کے لیے راستہ ہے، جو عزم اور ارادے، جدوجہد اور آزادانہ حریت کے ساتھ اپنی سیاسی، معاشی، سماجی، انسانی تشکیل کی بنیادی رائے قائم کریں اور اس رائے کے مطابق منظّم جدوجہد اور کوشش کریں۔ تب تو ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ ورنہ تو ایسی قوموں کے لیے سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور اپنا قول، قولِ سدید اور اپنا عمل صالح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

بچوں کا کالم ○○○○ چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

دوسروں کوذلیل سمجھناروح کی بیماری ہے

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم وتربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جواُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہردور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

بلقیس بی بی۔ السلام علیکم

بچو! دوسروں کوذلیل سمجھناروح کی بیماری ہے۔ اسے غرور کہتے ہیں۔ جسم کی بیماری کا پتہ چل جاتا ہے۔ کیوں کہ جان کوتکلیف ہوتی ہے، لیکن اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا اور دوسروں کوحقیر جاننے والا شرمندہ ہونے کی بجائے خوش ہوتا ہے اوراس فعل سے اس کی جان (جسم) کوآرام سا ملتا ہے، لیکن روح گندی ہوجاتی ہے۔ دوسروں کی خدمت کرکے خدا کو راضی نہیں کرتا، بلکہ لوگوں پر رعب جما کر اورظلم کرکے اپنی عاقبت (آخرت) برباد کرتا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ مغرور اور ظالم اپنی آخرت خراب کرتا ہے، لیکن بڑے بڑے مغروراورظالم حکمرانوں کے بچے نالائق نکلتے ہیں۔ اورغریبوں کے بچے لائق ہوکرڈنیاپر چھاجاتے ہیں۔

آج کل دنیا میں تین آدمیوں کا لوہا مانا جاتا ہے۔ مسولینی، ہٹلراور سٹالن۔ یہ اٹلی، جرمنی اورروس کے ملکوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ بچپن میں معمار، لوہاراور ترکھان تھے۔ دن کے دن کی روٹی بھی جنھیں میسر نہ تھی، اب دنیا کے بادشاہ اُن سے خوف کھاتے ہیں۔

روس کے حاکم نے تو تمام امیروں کو— جولوگوں کواپنے برابر نہ بیٹھنے دیتے تھے اور کمین (حقیروذلیل) سمجھتے تھے— پکڑکر پھانسی پرلٹکا دیا۔ اوران کی جائیدادغریبوں میں تقسیم کردی۔ اب سارے روس میں نہ کوئی امیر ہے، نہ کوئی غریب۔ سب برابر کے برابر ہیں۔

بچو! دنیامیں بڑاانقلاب آگیاہے، جوکوئی کسی کوہیٹا (حقیر) سمجھے گا، وہ منہ کی کھائے گا۔ اپنی عادات خوب درست کرلینی چاہئیں۔ مبادابڑے ہوکر یہ عادتیں تکلیف دیں۔ کبھی کسی کواپنے سے کم تر نہ سمجھو، لیکن دوسروں کولوٹنے کے لیےنہیں، بلکہ ان کی خدمت کے لیے، تاکہ دنیامیں مساوات اور برابری قائم ہوسکے۔

نیکی بھی عادت ہے اور گناہ بھی عادت ہے۔ جوبچپن میں نیکی کی عادت ڈال لیتا ہے، وہ نیک بن جاتا ہے۔ جوبُرے آدمیوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے، اس کی عادتیں بھی ویسی ہوجاتی ہیں۔ ہمیشہ خدا سے دعا کرنی چاہیے کہ صحت دے اور ہمت دے کہ ہم تیرے حکموں کے مطابق اپنی عادات کودرست رکھ سکیں اور تیری راہ میں مصیبتوں اورتکلیفوں کو برداشت کرسکیں۔

خواتین کا کالم — شکیل احمد ساجد، بہاولنگر

مجاہدہ حضرت امّ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مجاہدہ حضرت امّ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نسیبہ تھا، کنیت اُمّ عمارہ تھی۔ آپؓ انصاریہ تھیں۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تعلق تھا۔ انھوں نے دلیری، بہادری اور شجاعت کے وہ نمونے دکھائے کہ رہتی دنیا تک خواتین کے لیے مشعل راہ ہیں۔ حضرت اُم عمارہؓ کا شمار انصار کے سابقین الاوّلین میں ہوتا ہے۔ حضرت اُم عمارہؓ اس وقت مسلمان ہوئیں، جب بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب بن عمیرؓ یثرب میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ان 75 نفوسِ قدسیہ میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا، جنھوں نے عقبہ ثانیہ میں سرورِ عالمؐ سے جان نثاری کا عہد کیا کہ اگر آپ یثرب تشریف لائیں تو وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی تائید ونصرت کریں گے۔ ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت اُم عمارہؓ بھی اس غزوے میں شامل تھیں۔ مجاہدین کومشک میں پانی بھربھر کر پلاتی رہیں اور جب جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا اور نبی اکرمؐ کے گرد گنتی کے چند جان نثار سرفروش رہ گئے تو آپؓ مشک پھینک کرتلوار ہاتھ میں لے کر نبی اکرمؐ کے سامنے سینہ سپر ہوگئیں۔ کفار بار بارحملہ آور ہوتے۔ آپؓ دیگر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ تیر وتلوار سے ہر حملہ آور کوروکتیں۔ ایسا نازک وقت بھی اس بہادر اور جرّی خاتون کے پائے استقامت کواپنی جگہ سے نہ ہلا سکا۔

خود حضرت نبی اکرمؐ کا فرمانا ہے کہ میں نے اُحد میں اُم عمارہؓ کو اپنے دائیں بائیں برابر لڑتے دیکھا۔ ایک مشرک گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور آں حضرتؐ کے پاس آپؐ پر تلوار کا وار کیا۔ اُم عمارہؓ نے اپنی ڈھال پر روکا اور جوابی وار کیا۔ گھوڑ سوار اور گھوڑا دونوں زمین بوس ہوگئے۔ آپؐ تمام ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت اُم عمارہؓ کے بیٹے عبداللہؓ کو پکارا کہ اپنی ماں کی مدد کرو۔ وہ لپکے اور ایک وار میں ہی مشرک کو واصل جہنم کیا۔ دوسرا مشرک آیا۔ اس نے عبداللہؓ کا بازو زخمی کردیا۔ حضرت اُم عمارہؓ نے اپنے بیٹے کے بازو پر پٹی کی اور کہا: جاؤ بیٹے جب تک دم میں دم ہے، لڑو۔ نبی اکرمؐ نے حضرت اُم عمارہؓ کا جذبۂ فدائیت اور جاں نثاری دیکھ کر فرمایا: ''اے اُم عمارہ! جتنی طاقت تم میں ہے، کسی اور میں کہاں۔'' کافر کے وار سے جب حضرت اُم عمارہؓ زخمی ہوئیں، خود نبی اکرمؐ نے ان کے زخم پر پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہؓ کا نام لے لے کر فرمایا: ''واللہ! آج اُم عمارہؓ نے ان سے بڑھ کر بہادری دکھلائی۔'' حضرت اُم عمارہؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ جنت میں بھی آپ کی معیت نصیب ہو۔ حضرت نبی اکرمؐ نے بلند آواز سے فرمایا: **''اللّٰهم اجعلهم رفقائی فی الجنّة.''** (اے اللہ ان کو جنت میں میرے رفیق بنا۔) یہ سن کر آپؓ کی خوشی اور مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ غزوۂ اُحد میں حضرت اُم عمارہؓ کے جسم پر بارہ زخم آئے۔

آپؓ نہایت ہی جرّی، بہادر، بلند ہمت، اعلیٰ حوصلہ، جان نثار خاتون تھیں۔ دین اسلام کی بلندی اور اشاعت کے لیے اور نبی اکرمؐ کی زندگی کی حفاظت پر جانثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ آج کی خواتین کے لیے ان کی زندگی مشعلِ راہ ہے کہ وہ ان کی زندگی سے اپنے معمولاتِ حیات اور اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کا ایک اہم واقعہ

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) فرماتے ہیں: حضرت والد ماجد مولانا محمد احمدؒ نے فرمایا کہ: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم) کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلے میں کھولا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے جائیں، تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہوجائے۔ یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلبا کو قواعدِ جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لیے کابل کو تیار کررہا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو خیرخواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے اور ہم بھی ہر قسم کی سراغ اور تفتیش حالات کے لیے گورنمنٹ کو مدد دینے کے لیے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لیے احکام جاری ہوئے اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رام پور، جلال آباد قرار پائے۔ اور ان کا صدر مقام دیوبند بنا دیا گیا۔ حکام نے دور سے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتویؒ کی زیارت کرنے کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضرتؒ نے اجازت دی اور کہا کہ: جوتا نکال کر آئیں۔ حاکم آیا اور بیٹھا نہیں، بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرتؒ کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس جا کر اس نے حکومتِ ہند کو رپورٹ دی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقص امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں، وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔ اس واقعے کے بعد حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ: میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں اور اپنی رِدا مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں، کبھی باہر جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور ﷺ رِدا مبارک میں لیے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے۔

سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کے مفسدہ پردازی اور شرّ سے تحفظ منظور ہے، لیکن امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ: نہیں! مولانا (نانوتویؒ) کی عمر ختم ہوچکی ہے اور حضورؐ کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہوکر ایسے مفسد ہوگئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں۔ چناں چہ حضرت نانوتویؒ زیادہ زندہ نہیں رہے۔ قریب ہی زمانے میں وفات ہوگئی۔

اس دور میں ولی اللّٰہی جماعت کے ائمہ، مقبولانِ بارگاہِ الٰہی اور دورِ حاضر میں مجددینِ امت میں سے حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس جماعت میں اعلیٰ درجے کے مجتہد اور محقق ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کشف کی درست توضیح کی ہے کہ جب سچے لوگوں کی قدر نہ کی جائے تو اللہ اپنے بندوں کو اٹھا لیتے ہیں۔ اور عوام سچے مرشدین سے محروم ہوجاتے ہیں۔ انگریز کا تسلط اور ان کا دیر تک بطورِ حکمران قائم رہنا بطور سزا کے تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے علما کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ 19/شوال 1296ھ/ **16**/اکتوبر **1879**ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام چراغ محمد ہے۔ ان کے والدِ گرامی سید حبیب اللہ ایک مڈل سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم قصبہ ٹانڈہ میں اپنے والد صاحب کی نگرانی میں حاصل کی۔ 1891ء میں حضرت مدنی کو مزید تعلیم کی غرض سے ان کے والدِ گرامی نے دیوبند بھیج دیا، جہاں وہ یکسوئی سے تعلیم کے حصول میں لگ گئے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ، مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، مولانا عزیز الرحمٰنؒ اور مولانا غلام رسولؒ شامل ہیں۔ دارالعلوم میں قیام کے دوران حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کی توجہات کا خصوصی مرکز بنے رہے۔ 1898ء میں اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے مدینہ منورہ میں تدریس کا کام جاری رکھا۔ بقول مولانا عاشق الٰہیؒ: ''مولانا حسین احمد کا درس حرمِ نبوی میں بہر عروج پر ہے اور عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علما کو تو کیا' یمنی اور شامی، بلکہ مدنی علما کو بھی وہ بات حاصل نہیں۔''

حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایت پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور اپنے سفرِ حجاز کے دوران حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ یوں ولی اللّٰہی تحریک کے رہنماؤں کی صحبت میں ان کی نہ صرف روحانی بلکہ سیاسی تربیت بھی ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ جب 1915ء میں تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلے میں حجاز تشریف لے گئے تو اس دوران ان کا قیام ان کے ہاں رہا۔ 1916ء میں جب حضرت شیخ الہندؒ کی ان کے ساتھیوں سمیت گرفتاری کا واقعہ پیش آیا تو انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے تعلق و محبت کی خاطر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کردیا۔ مالٹا کی جیل میں قید کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کی تربیت میں رہے اور آزادیٔ وطن کے جذبے سے سرشار ہوئے۔ 8/جون 1920ء کو بمبئی میں پہنچا کر سب حضرات کو رہا کردیا گیا۔ رہائی کے بعد مدینہ طیبہ جانے کی اجازت چاہی، لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی منشا کے مطابق تحریکِ آزادی میں کردار ادا کرنا شروع کردیا۔ مالٹا کی قید سے واپسی پر کانگریس کے باقاعدہ ممبر بن گئے۔

حضرت مدنیؒ کا حضرت شیخ الہندؒ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کے اشارے پر جان چھڑکنے کو تیار ہوجاتے تھے۔ کلکتہ میں نئے قائم ہونے والے مدرسہ عالیہ کے لیے صدر مدرس کے لیے حضرت شیخ الہندؒ نے ان کا انتخاب کیا۔ نومبر 1920ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد حضرت مدنیؒ نے ملکی سیاسی میدان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ہندوستان کی مکمل آزادی کے تصور کو حضرت مدنیؒ نے اپنا نصب العین بنایا۔ حضرت مدنیؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر ہندوستان سے انگریزوں کو نکال دیا جائے تو دیگر ممالک بھی جلد ہی اس کی گرفت سے آزاد ہوجائیں گے۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

محمد عباس شاد، لاہور

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
عہدِ حاضر کی
عبقری اور تجدیدی شخصیت

2

(مؤرخہ 22/ مارچ 2015ء بروز اتوار کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی یاد میں ایک سیمینار منعقد ہوا۔ اس میں مدیر ماہنامہ ''رحیمیہ'' لاہور نے درجِ ذیل خیالات کا اظہار کیا۔)

اس دور میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی جرأت کی داد دیجیے کہ انھوں نے اس دور میں فساد کے ذمہ دار طبقے کی نشان دہی کی۔ جن میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے، جو جبہ و دستار کی وجہ سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

الحمدللہ! تقدس اور مقام و مرتبہ تو خود تاریخ نے حضرتؒ کی جھولی میں بھی ڈال رکھا تھا۔ خانقاہِ رائے پور، دیوبند، سہارن پور اور مظاہر العلوم کی نسبت، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کا اعتماد، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور جمعیت علمائے ہند کی عقیدت کی وجہ سے آپؒ کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ یہاں لوگ آپؒ درست نشان دہی کو آسانی سے رد نہیں کر سکتے تھے۔ کہنے والے جو بھی کہیں، لیکن آپؒ نے یہاں سوچوں کا رُخ بدلا۔ یہاں کا دھارا بدلا۔ اس وقت نظام اور سسٹم کی بات کی کہ جب ابھی تک لوگ اس بحث سے آشنا نہیں تھے۔ لوگ شخصی حوالے سے تجاویز پر باتیں کرتے تھے کہ فلاں پارٹی آجائے، فلاں سیاست دان آجائے، فلاں شخصیت آجائے، لیکن حضرتؒ نے اس وقت یہ بات یاد دلائی کہ ''جب تک نظام نہیں بدلتا، چہروں کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا''، نئی بوتلوں میں پرانی شراب دیتے رہو گے، تو قوم بھی اسی میں دھت رہے گی۔ اگر قوم کو زوال سے نکالنا ہے تو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نظریے پر تبدیلی کی بات کرنی ہوگی۔

جیسے جیسے معاملہ آگے بڑھتا گیا، 70ء کی دہائی تک ایک بہت بڑا طبقہ اس بات کی طرف آ گیا کہ یہاں پر انقلاب اور تبدیلی کی بات ہونی چاہیے، لیکن نئی پارٹی، نئے لوگ، نوجوانوں تک پہنچنا، نوجوانوں کو نظریہ دینا، یہاں کے نام نہاد سوشلسٹ انقلابی بوڑھے طوطے اور بوڑھے گھوڑے جو سامراجی تانگوں کے اندر جتے ہوئے تھے، اس کام کے قابل نہ تھے، انھوں نے ملک میں انقلاب اور سازش کو ہم معنی بنا دیا۔ اس وقت نئی بنتی ہوئی پارٹیوں میں یہ لوگ دھڑا دھڑ شریک ہونے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ان پارٹیوں پر قبضہ کر کے ہم یہاں پر انقلاب لے آئیں گے، جب کہ بہت سی پارٹیاں تو بنائی ہی اسی لیے جاتی تھیں کہ انقلاب کے نام پر جو کچھ جذباتی لوگ اکٹھے ہو جائیں، انھیں نئی پارٹیوں کے پنجرے میں قید کر لیا جائے، لیکن ہمارے حضرتؒ اپنی اُسی جگہ پر کھڑے رہے، کہ جو بات انھوں نے پہلے دن کہی تھی کہ آزادی و حریت کے سامراج دشمن نظریے پر نوجوانوں کی تنظیم سازی اور ان کی قیادت میں دینی حوالے سے قومی و جمہوری انقلاب اس قوم کی نجات کا واحد راستہ ہے۔ حضرت رائے پوری رابعؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی سنت کو تازہ کرتے ہوئے یہ بات باور کروائی کہ معاشرے کی اصل طاقت نوجوان ہیں۔ حضرتؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی اس روایت کو زندہ کیا کہ جب تک جماعتوں میں نئے خون کو نہیں لایا جاتا، پُرانے لوگوں کا قیادتوں پر مسلط رہنا اور نئے آنے والے لوگوں کو راستہ نہ دینا ایسا ہی ہے، جیسے چلتا ہوا پانی کہیں ٹھہر جائے۔ اور ٹھہرے ہوئے پانی کے اندر بدبو پیدا ہو جائے۔

یہاں پر لوگ زندگیاں گنواتے رہے، اور زندگی کے آخری کنارے پر لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہم نے زندگی سے یہ سیکھا ہے، تم یہ نہ کرنا۔ جب کہ حضرتؒ پہلے ہی بتاتے رہے کہ تم غلطی کیا کر رہے ہو۔ جیسے مولانا آزاد کہا کرتے تھے کہ ''لوگ بارش کو دیکھ کر بتاتے ہیں کہ بارش ہوئی ہے اور میں فضا سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں بارش ہونی ہے۔'' یہ بصیرت اور یہ شعور کی بلندی ہے کہ حالات کس کروٹ بیٹھ رہے ہیں، حالات کا دھارا کس سمت سرک رہا ہے، اس کے نتائج کیا نکلیں گے۔ یہ حضرتؒ کا کمال تھا۔ 1977ء میں ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ''، چلی اور اسلام کے نام پر بڑے پُرکشش نعرے لگے تو حضرت اقدسؒ نے اس وقت فرمایا کہ: ''اسلام کے نام پر اس نظامِ مصطفیٰ کی تحریک کے نتیجے میں ایک بدترین مارشل لا تو آ سکتا ہے، اسلام نہیں آ سکتا۔'' اس کے نتیجے میں ملک کا بدترین مارشل لا اس دھرتی نے اپنے سینے پر جس طرح سہا ہے، وہ بھی ہمارے ملک کی تاریخ کا حصہ ہے۔

زیادہ دور نہ جائیے، ابھی کل کی بات لگتی ہے کہ 80ء کی دہائی میں جہادِ افغانستان کے نام پر بیسیوں جماعتیں وجود میں آ گئیں اور اسے اسلام اور دفاعِ پاکستان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا حالاں کہ اس سے قبل پاکستان پڑوسی ملک کے ساتھ 65ء اور 71ء کی دو جنگیں لڑ چکا تھا اور اس وقت تک کوئی پرائیویٹ عسکری تنظیم وجود میں نہ آئی تھی۔ تاریخ ہمیں یہ بات بتاتی ہے کہ یہ ساری جہادی تنظیمیں ایک خاص مقصد کے تحت بنوائی گئیں۔ جب یہ بنائی گئیں، اس وقت حضرتؒ نے کس شد و مد اور مردانگی کے ساتھ، کس دلیل و حجت اور استدلال کے ساتھ اپنی گفتگو میں اس کے پس پشت سازش کو بے نقاب کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ اور اس پر فتوے بھی لگے، لیکن آج وہ لوگ جو جہادِ افغانستان کے نام پر پیسوں کی بوریاں وصول کرتے رہے، افغانستان کے جو قبائلی رہنما ہوتے تھے، وہ پیسے نوٹوں میں وصول نہیں کرتے تھے، بوریوں میں وصول کرتے تھے۔ کہ جی ٹھیک ہے فلاں گروپ کی حمایت کرتے ہیں، کتنا بوری مال ملے گا؟ پانچ بوری یا دس بوری؟ تو یہ بوریاں وصول کرنے والے جہاد کے نام پر آج کہاں کھڑے ہیں۔ آج وہی جماعتیں لاکھوں ہزاروں انسانوں کو قتل کرانے کے بعد کہتی ہیں کہ جہاد ریاست کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پرائیویٹ مسلح جدوجہد کو حرام کہہ رہے ہیں۔ گویا انھیں آج سچ بولنے کی توفیق ہوئی ہے۔ تو حضرتؒ کی دعوت کی حقانیت اور بصیرت کو آج پاکستان کی تاریخ اور ادارے تسلیم کر رہے ہیں۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

رفتارِ کار ۔۔ رپورٹ: سید نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

آزادی وحریت کی اہمیت اور قومی تقاضے

الحمرا آرٹس کونسل لاہور میں منعقد ہونے والے سیمینار کے احوال

30/ اگست 2015ء بروز اتوار کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے زیرِ اہتمام الحمرا آرٹس کونسل لاہور کے ہال نمبر 2 میں ایک اہم سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار کے شروع میں ادارہ رحیمیہ لاہور کا پس منظر، تعارف اور موضوع کا تعارف پیش کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے ''آزادی وحریت کی اہمیت اور قومی تقاضے'' کے موضوع پر بہت اہم اور تاریخی خطاب ارشاد فرمایا۔ سیمینار میں لاہور بھر سے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے احباب کے علاوہ مختلف کالجز، یونیورسٹیز اور مدارس کے طلبا نے بھرپور شرکت کی۔ سیمینار شروع ہونے سے قبل ہی شرکا کی کثیر تعداد جمع ہونا شروع ہوگئی تھی۔ سیمینار کے دوران الحمرا ہال شرکا سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کئی لوگوں نے سیڑھیوں پر بیٹھ کر اور کئی لوگوں نے کھڑے ہو کر حضرت اقدس کا لیکچر سنا۔ حضرت اقدس رائے پوری نے اپنے تاریخ ساز خطاب میں امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر 1947ء تک کی تحریکات آزادی اور ان کے نتیجے میں قائم ہونے والے نظاموں کا بھرپور جائزہ لیا۔ اور عصرِ حاضر میں قومی تقاضوں کی روشنی میں اسلام کے عادلانہ سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے اسلام کو بطورِ نظام سمجھنے، سمجھانے اور اس کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنے پر زور دیا۔

حضرت اقدس کا خطاب ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ اس کے بعد سوالات و جوابات کی نشست ہوئی، جس میں سامعین (audience) نے براہِ راست سوالات کے ذریعے اس موضوع پر رہنمائی حاصل کی۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں ملکی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے نمائندگان بھی موجود تھے، جنھوں نے اس سیمینار کی کوریج میں حصہ لیا۔ سیمینار کے اختتام پر ریفریشمنٹ کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ شرکا نے حضرت اقدس کے خطاب اور سوال و جواب کی نشست سے بہت آگہی حاصل کی اور تجاویز سلپس پر اپنی رائے دیتے ہوئے اس پر زور دیا کہ ایسے پروگرامز ماہانہ بنیادوں پر ہونے چاہئیں۔

الحمد للہ! ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور کے تحت اس طرح کے سیمینارز اور سمپوزیم پورے ملک میں منعقد کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح دینی حوالے سے ایسے معاشرتی موضوعات پر ادارہ رحیمیہ کے تربیت یافتہ حضرات، بالخصوص حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے خطابات اور لیکچرز ملک کی نامور یونیورسٹیز میں ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، فاسٹ یونیورسٹی اسلام آباد، پنجاب یونیورسٹی، جی سی یونیورسٹی، یو ایم ٹی لاہور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، کراچی یونیورسٹی، لاڑکانہ کی یونیورسٹی، جی سی یونیورسٹی و زرعی یونیورسٹی فیصل آباد وغیرہ۔ ایسے پروگرامز سے خاص طور پر نوجوان طبقہ بہت متاثر ہوتا ہے اور ایک نئی سوچ اور نئی امید لے کر ملکی ترقی میں کردار ادا کرنے والا بنتا ہے۔ اور معاشرے میں موجود مایوسی سے نکل کر ترقی کی راہ پاتا ہے۔

بقیہ: عظمت کے مینار

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ 1921ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرّس اور جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

حضرت مدنیؒ نے تحریکِ ترکِ موالات میں بھرپور حصہ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھیں مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ، مولانا نثار احمد کان پوریؒ اور جگت شنکر اچاریہ سمیت گرفتار کر کے 26/ ستمبر 1921ء کو خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ چلایا گیا اور 21/ نومبر کو 2 سال قیدِ بامشقت کی سزا سنائی گئی۔

1932ء میں جمعیت علمائے ہند کی جانب سے ''ڈکٹیٹر'' بنائے گئے۔ ہر ایک ڈکٹیٹر کو دہلی میں جا کر سول نافرمانی کی تحریک چلانا اور گرفتاری پیش کرنا تھی۔ باوجود سخت علالت اور ٹانگوں میں زخم کے آپؒ دہلی تشریف لے گئے اور مظفر نگر اسٹیشن پر گرفتار ہوئے۔ غرض یہ کہ آپؒ نے ملکی آزادی کی خاطر سیاسی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

1926ء سے لے کر 1957ء تک دارالعلوم دیوبند میں پانچویں صدر مدرّس اور ناظمِ تعلیمات رہے۔ 1940ء سے 1957 تک جمعیت علمائے ہند کے صدر بھی رہے۔ اس دوران انھوں نے ملکی آزادی کی خاطر دن رات ایک کر دیا۔ ان کے اس جذبے نے مسلمانانِ ہند میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ حضرت مدنیؒ عزم و استقلال کی اپنی مثال آپ تھے۔

قومیت کے مسئلے پر علامہ اقبال سے طویل خط و کتابت رہی۔ جس میں حضرت مدنیؒ نے مدلل انداز میں اپنا مؤقف پیش کیا۔ حضرت موصوفؒ محض اسی وجہ سے برِعظیم کی تقسیم کے حق میں نہ تھے کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت بھی تقسیم ہوجائے گی۔ وہ اپنی مستحکم سیاسی رائے کے مطابق قومی بنیادوں پر سیاسی نظام کی تشکیل کو ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت مدنیؒ کی جدوجہد کے پُرخلوص اور بے غرض ہونے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی۔ وطنِ عزیز کی آزادی میں ان کی جدوجہد کے اعتراف کے طور پر جب انڈین گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان کا سب سے بڑا سول اعزاز ''پدم بھوشن'' پیش کیا گیا تو حضرت مدنیؒ نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ: ''میں نے اپنی تمام زندگی جو کچھ بھی کیا، وہ شرعی حکم اور ملکی فرض کی ادائیگی کے لیے کیا ہے۔ کسی اعزاز و منزلت کے لیے نہ تھا۔''

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی مثالی زندگی ہمارے لیے غور و فکر کے بہت سے پہلو رکھتی ہے۔ آج بھی انھیں ''شیخ الاسلام'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت مدنیؒ کا وصال 12/ جمادی الاوّل 1377ھ/ 5/ دسمبر 1957ء کو دیوبند میں ہوا۔ قبرستانِ قاسمی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے برابر آسودۂ خواب ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ع

شہر استبداد کی دیوار و در ڈھاتا رہا
گم شدہ افلاک کی تصویر دکھلاتا رہا

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

بقیہ: عہدِ حاضر کی عبقری اور تجدیدی شخصیت

ایک بات یاد رکھیں، سچ کا ایک وقت ہوتا ہے۔ آپ اس کا وقت بدل دیں، سچ سچ نہیں رہتا۔ اس کی جگہ بدل دیں، سچ سچ نہیں رہتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد ہے۔ آپ اس کی جگہ بدل دیں۔ بادشاہ کے ایوان سے باہر جا کر جنگل میں ستر دفعہ اس کلمے کو دہرائیں تو وہ کلمہ حق نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس کی جگہ اور وقت تبدیل ہوگیا۔ اسی طرح آج ان جہادیوں کا یہ سچ جھوٹ سے بھی بدتر ہے۔ حضرتؒ کی دعوت کا جو خاصہ تھا، وہ تھا سچ کے وقت پر سچ بولنا۔ دیر نہیں کرنا، لیٹ نہیں کرنا۔

حضرتؒ کا کمال یہ ہے کہ سچ کے وقت پر سچ بولا۔ جب جہاد کے نام پر فتوے بانٹے جا رہے تھے، بوریاں وصول کی جا رہی تھیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''یہ جہاد کے نام پر فساد ہے۔ یہ دو طاقتوں کی لڑائی ہے۔ سامراج اسلام کے کندھے پر بندوق رکھ کر اپنے دشمنوں کو شکار کرنا چاہتا ہے۔'' فرمایا کہ: ''قوم اسلام کے نام پر اس کا شکار نہ ہو۔'' حضرتؒ نے 1988ء کی ایک تقریر میں پیشین گوئی کی تھی کہ: ''ایک وقت آئے گا کہ اسی سامراج امریکا کے جوتے ان کے سروں پر ہوں گے، ان مولویوں اور جہادیوں کو چھپنے کے لیے جگہ نہیں ملے گی۔'' آج حضرتؒ کے اس بیان کے تناظر میں آپ ساری صورتِ حال دیکھ لیں، زیادہ تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرتؒ وقت پر سچ بول کر وقت کے سچے نظریے کی دعوت دے کر اپنا کردار، فکر و عمل مکمل کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو چکے اور یہ امانت اور ذمہ داری آپ نوجوانوں کے کندھوں پر ڈال گئے۔ اب پاکستان کا مستقبل آپ کے سامنے اپنی جھولی پھیلائے کھڑا ہے، کہ اگر آپ حضرتؒ کے فکر و عمل کی بنیاد پر پاکستان کی تاریخ کی جھولی میں خیرات نہیں ڈالتے، تو یقین جانیے کہ ابھی تک اس قوم کے مقدر میں پتہ نہیں کتنے دُکھ لکھے ہیں۔

اس قوم کے دکھوں کا مداوا، حضرتؒ کی یہ جدوجہد اور اس پر آپؒ کا دعوتی اسلوب، آپؒ کی محنت اور آپؒ کا جو کام ہے، اس کو آگے بڑھانا، وقت کے تقاضوں کو سمجھنا، وقت کی نزاکتوں کو سمجھنا، اور یہاں بنائے گئے سامراجی چوکھٹوں اور دائروں کو توڑ کر، دیوار کے پیچھے کی سچائی کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ جو روایت حضرتؒ نے ہمیں منتقل کی ہم نے اس کی حفاظت کرنی ہے۔ حضرتؒ کا قوم کے لیے سب سے اہم پیغام یہ ہے کہ ''سیاست میں قومی سوچ، معیشت میں عدل و مساوات، مذہب میں رواداری اور سماجیات میں خدمتِ انسانیت کا نظریہ رہنا چاہیے، جو وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔'' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت اور توفیق دے۔ (آمین)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال میں گزشتہ دس سال سے ایک سرکاری بینک میں ملازمت کر رہا ہوں۔ ہمارے بینک میں آج کل ایک بحث چل رہی ہے کہ روایتی بینکاری حرام، جب کہ اسلامی بینکاری حلال اور جائز ہے۔ مجھ جیسے کئی بینک آفیسرز الجھن کا شکار ہیں کہ ہم روایتی بینک کو چھوڑ کر اسلامی بینک میں جائیں یا نہ جائیں؟ براہِ کرم تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ سائل: محمد آصف شریف، لاہور

جواب اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے، صرف لفظوں کا دھوکا ہے، بلکہ سرمایہ داری نظامِ معیشت کو حیلوں، دھوکا دہی اور جعل سازی سے اسلامی بنانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے کہ:

1۔ یہ ''اسلامی بینک'' بھی اسٹیٹ بینک کی اجازت سے کام کر رہے ہیں اور ملکی بینکاری نظام عالمی بینکاری نظام کا حصہ ہے، جو سرمایہ دارانہ اصول پر سود کو جائز قرار دینے اور ظلم واستحصال پیدا کرنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

2۔ یہاں کے ''اسلامی بینک'' بھی روایتی بینکوں کی طرح اجارہ دار سرمایہ داروں کے سرمائے کو مکمل تحفظ فراہم کرتے ہیں، جب کہ مجبور و مقہور غریب، قرض لینے والوں کی محنت اور حقوق کو کوئی تحفظ نہیں دیتے، بلکہ اسلام کے نام پر ان کا استحصال کرتے ہیں۔

3۔ ان بینکوں میں حیلوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح عقدِ بیع کے ساتھ ساتھ عقدِ اجارہ کرتے ہوئے احادیث کی روشنی میں "صفقة فی صفقة" کے اسلامی قانون کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ حال آں کہ یہ تمام امور اسلام کے عقود و معاملات کی لازمی روح' تعاونِ باہمی و اشتراک کے سراسر خلاف ہیں۔ پس اسلام کے نام پر اس طرح کے حیلے اختیار کرنا بڑا جرم ہیں۔

4۔ مجبوری میں قرض لینے والے سے قرض کی قسط شارٹ ہوجائے تو اس پر حیلوں سے جواز نکال کر مالی جرمانے بھی عائد کر دیے جاتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑا ظلم ہے۔

اس لیے ہمارے نزدیک اسلامی بینکاری اور روایتی بینکاری میں کوئی فرق نہیں۔ جو شرعی حکم روایتی بینکاری کا رہا ہے، وہی حکم ''اسلامی بینکاری'' کا ہے۔ دونوں ہی اس سرمایہ داری نظام کے آلہ کار ہیں۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔